تیرا ایمان میرا ایمان
رب کی دھرتی رب کا نظام

جناب محمد اکرم اعوان کا تصور حکومت

پروفیسر راجہ محمد اسلم خان

تنظیم الاخوان پاکستان دارالعرفان منارہ ضلع چکوال فون نمبر: 0573-562200

جناب محمد اکرم اعوان

کاتصور حکومت

پروفیسر راجہ محمد اسلم خان

تنظیم الاخوان پاکستان دارالعرفان منارہ ضلع چکوال فون نمبر: 0573-562200

جناب محمد اکرم اعوان ایک ایسی ہستی ہیں جنہیں کہا تو مولانا جاتا ہے اور سمجھا پیر جبکہ آج کے دور کے روائتی یا رائج تصورات کے مطابق نہ آپ روائتی پیر ہیں اور نہ ہی مولانا۔ آپ اس دور کی ایک ایسی ہستی ہیں جو بیک وقت صوفی شاعر، صوفی بزرگ، اپنے روحانی سلسلے نقشبندیہ اویسیہ کے شیخ، ایک سیاسی تحریک کے روح رواں بلکہ امیر کارواں، ایک مفسر قرآن، محدث، عالم دین بلکہ سیاسی رہنما اور سیاسی مفکر بھی ہیں۔ قومی پریس میں کبھی کبھار آپ کے بارے میں بعض ایسی باتیں نظر آ جاتی ہیں جن سے آپ کی شخصیت کو اور آپ کے نظریات کو ایسی شکل وصورت میں پیش کیا جاتا ہے جو نہ آپ کی سیاسی شخصیت کی صحیح عکاسی کرتے ہیں اور نہ ہی آپکی سیاسی فکر کی۔ میں اس ضمن میں کسی کی دل آزاری، سوچ کی تردید یا مخالفت نہیں کر رہا۔ بلکہ اپنی سوچ اور آپ جیسی ہستی کے بارے میں ذاتی تجربات ومشاہدات کی روشنی میں بقائمی ہوش وحواس وہ خیالات پیش کر رہا ہوں جو میرے ذاتی علم میں ہیں مجھے علامہ اقبالؒ سے سو فی صد اتفاق ہے جب وہ فرماتے ہیں۔

☆ گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور چراغ راہ ہے منزل نہیں

اسے تسلیم نہ کرنے والوں کا حال اور مستقبل میں اللہ پر چھوڑتا ہوں، جناب محمد اکرم اعوان کی شخصیت کے وہ گوشے جو عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں (جن میں سے بعض میرے ذاتی علم میں ہیں) وہ ظاہر کرنا بے شمار ایسے لوگوں کے لیے جو عقل کی محدود قوتوں سے کام لے کر انہیں جانچیں بے کار ایکسر سائز ہوگی اور شاید میرے قلم میں ابھی اتنی ہمت نہیں وگرنہ علامہ اقبالؒ مرحوم کا درج ذیل تصور ایسی ہستیوں کے بارے میں ہی ہے:۔

☆ عبد دیگر، عبدہٗ چیزے دگر ما سراپا انتظار او منتظر

یعنی عبد اور چیز ہے اور عبدہٗ اس سے بالکل مختلف چیز اس لئے ہم ساری حیاتی انتظار میں رہتے ہیں (کسی نہ کسی مسئلے کے حل کے لیے یا کسی نہ کسی خواہش کی تکمیل یا حصول کے لیے) جب کہ

اس اپنے بندے کا خداوند باری تعالیٰ خود انتظار کرتا ہے (لہذا عقل کے جہاں سے آگے جہاں اور بھی ہیں) یہاں میرا مقصد صرف آپ کا تصور حکومت پیش کرنا ہے جو میرے خیال کے مطابق نہ صرف جدید دور کے تقاضوں پر پورا اترتا ہے بلکہ اس کی ضرورت بھی ہے جناب مولانا محمد اکرم اعوان مخلوق خدا کے مسائل کے حل کی عملی کوشش میں مصروف نظر آتے ہیں پوری دنیا میں پھیلے ہوئے لاکھوں فرزندان توحید پر مشتمل اپنے سلسلے کی ضروریات کی تکمیل کو بھی وقت دیتے ہیں ضرورت مندوں عقیدت مندوں اور لاکھوں مریدوں کے روزانہ درجنوں خطوط نہ صرف خود پڑھتے ہیں بلکہ جہاں جہاں ضرورت ہو جوابات بھی خود لکھتے ہیں آپ کو دین سے والہانہ عشق ہے آنحضورؐ سے والہانہ عشق ہے خدا سے والہانہ عشق ہے اسلام کی سربلندی آپ کی زندگی کے مقصد کی ابتداء اور انتہا بھی ہے آپ اس بات پر یقین کامل رکھتے ہیں کہ دنیا بھر کے انسانوں کے دکھوں کا مداوا اسی میں ہے۔آپ کافی سارا وقت یاد الٰہی میں گزارتے ہیں (بہت کم آرام فرماتے ہیں) اس کے باوجود آپ کے پاس جو علوم کا خزانہ ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کے لیے آپ کب مطالعہ فرماتے رہے؟

عالم اسلام کی صدیوں پر محیط تاریخ میں اللہ کی برگزیدہ ہستیوں میں سے محض چند ہی ایسے نام ملتے ہیں جنہوں نے دین کو خانقاہی نظام سے باہر لا کر عوام کے دکھوں کے مداوا کے لیے استعمال کیا اور بڑے ہی نامساعد حالات میں اس کی خدمت جاری رکھی جناب محمد اکرم اعوان بھی انہی میں سے ایک ہیں۔آپ کے بارے میں بہت کچھ لکھا جاچکا ہے اور مزید لکھنے کے لیے بہت کچھ ہے تاہم میں فی الحال جناب مولانا محمد اکرم اعوان کے "تصور حکومت" کے بارے میں اپنی معروضات پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں جو دنیا بھر کے بسے ہوئے انسانوں کے لیے ایک روشنی کی کرن ہے آپ فرماتے ہیں خداوند باری تعالیٰ نے دنیا بھر میں موجود ہر ذی روح کا رزق مقرر رکھا ہے بلکہ اس کا جائز حصہ بھی اور ساتھ ہی اس کے اس تک پہنچنے کا نظام بھی دے رکھا ہے جس سے ہر ذی روح استفادہ کرتا ہے تاہم ان تمام مخلوقات میں سے انسان اس دنیا کی واحد اور سب

سے زیادہ بدنصیب مخلوق ہے کہ اس کے بعض ہم نسل ظلم وزیادتی دھوکے اور فریب سے اس کے لیے بھیجے ہوئے رزق پر قبضہ جما لیتے ہیں اور اس رزق کو اس کے مستحق تک پہنچنے سے روک کر اپنے تصرف میں لے آتے ہیں بلکہ اکثر اوقات رب کی طرف سے رزق کی پیداوار کے لیے دیئے ہوئے ذرائع پر بھی قابض ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔حکومت کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ خدا اور اس کے بندے کے درمیان رزق کی ترسیل کا جو خدا کی طرف سے دیا ہوا نظام ہے وہ بحال کرے اور پھر قائم رکھے نیز اس کے راستے میں حائل ایسی تمام رکاوٹوں کو بزور قوت دور کرے جو اس کے بندے تک پہنچنے والے رزق کو روک لیتی ہوں تاکہ خداوند باری تعالیٰ کا اس بندے تک رزق اسی طرح پہنچ سکے جس طرح اس کی منشاء ہے اور ہر بندہ بذات خود بھی اسی نظام کا حصہ ہے اس نے رب کے بھیجے ہوئے رزق سے حصہ صرف اور صرف جائز طریقوں سے حاصل کرنا ہے۔آپ فرماتے ہیں رزق کے ذرائع رب نے وافر عطا کر رکھے ہیں اور جو کبھی نہ ختم ہونے والے ہیں صرف اس کے حصول کی جدوجہد مسلسل ضروری ہے ہاں اس کے ذرائع میں کمی آسکتی ہے۔وہ بھی ایسی صورت میں کہ جب بعض انسان اس خدائی نظام میں خود غرضی یا لالچ کے زیر اثر آکر خود رکاوٹیں کھڑی کرنی شروع کر دیں ایسی صورت میں خدا انسان کا رزق روک لیتا ہے۔کم کر دیتا ہے یا کسی دوسری قوم کی تحویل میں دے دیتا ہے آپ فرماتے ہیں۔۔۔جو حکومت اپنا بنیادی فرض منصبی ادا نہیں کرتی یا نہیں کر سکتی وہ اپنے حکمرانی کے حق سے خود بخود محروم ہو جاتی ہے اور حکومت کا حکمرانی کا حق چونکہ اس نظام کے رواں دواں رکھنے سے مشروط ہے لہذا اپنے اس فرض سے پہلوتہی کرنے کے باوجود اگر عوام اسے ختم نہیں کرتے تو یہ منشاء خداوندی کی کھلی خلاف ورزی ہے۔لہذا ایسی حکومت ان کے لیے عتاب خداوندی کا روپ دھار لیتی ہے اور اس حکومت کی حیثیت ایک قبضہ گروپ کی سی ہے نہ کہ حکومت کی سی اور اگر ایسی حکومت میں شامل افراد خود بھی لوٹ مار میں شریک ہوں تو ایسی نام نہاد حکومت محض رہزنوں کا ٹولہ یا گروہ ہے۔

آپ مغربی طرز جمہوریت کی حامل تیسری دنیا کی بیشتر حکومتوں کو اسی زمرے میں شمار

فرماتے ہیں اور جزوی طور پر سرمایہ دارانہ نظام کے تحت قائم حکومتوں کو بھی آپ مزید فرماتے ہیں۔
قبضہ گروپوں یا ڈاکوؤں کو بطور حکمران تسلیم کرنے والے افراد بطور انسان زندگیاں بسر کر ہی نہیں سکتے
وہ رزق کی مناسب فراہمی کے بغیر انسانوں کے منصب سے گر جاتے ہیں ان میں اور جانوروں میں
فرق مٹ جاتا ہے ان کی عقل فعال ختم ہو جاتی ہے اور ان کے اندر قوت برداشت رواداری کی وجہ
سے نہیں ہوتی بلکہ ان کے اندر سیاسی شعور (اس نظام کی سمجھ دینے والا یا جاری رکھنے کی قوت فراہم
کرنے والا شعور) ختم ہو چکا ہوتا ہے ان کے اندر اسی وجہ سے اچھائی اور برائی کا فرق مٹ جاتا ہے
یہ رزق (خدا کا بھیجا ہوا ہے) جو ہر فرد کا بنیادی حق ہے یہ نظام خدا نے اسکی ملکیت میں اس لئے دے
رکھا ہے کہ وہ اشرف المخلوقات ہے اس رزق کے حصول کے بعد وہ اسے اپنی صوابدید کے مطابق
جس طرح چاہے (اپنے سمیت کسی کو نقصان پہنچائے بغیر) استعمال میں لاسکتا ہے۔

رزق سے عام فہم معانی میں مراد خوراک لی جاتی ہے جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں اس
کے لغوی معانی ہیں۔قسمت،نصیب،وظیفہ روزگار وغیرہ۔جب کہ محمد اکرم اعوان اس سے مراد انسانی
زندگی کی وہ تمام سہولیات لیتے ہیں جن کے بغیر انسان بطور انسان کے زندگی بسر کر ہی نہیں سکتا۔اس
لحاظ سے رزق سے مراد تمام بنیادی حقوق بھی لئے جاسکتے ہیں۔آپ بھی انہیں حقوق ہی قرار دیتے
ہیں اور انہیں حقوق العباد کا نام دیتے ہیں۔نیز انسان تک اس کا رزق پہنچنے کا جو نظام ہے وہ افراد کی
ملکیت ہی نہیں۔اُسے رواں دواں رکھنے کا انسان بھی پابند ہے۔اسے جاری رکھنے کے لیے خدا اور
رسول کے عطا کردہ اصولوں کی روشنی میں ضابطے قوانین (آئین) نہ صرف بنانے میں خود مختار ہے
بلکہ ان پر (خدائی قوانین سمیت) عمل کرنے کا پابند بھی ہے۔اسی میں اس کی انفرادی بھلائی پوشیدہ
ہے اور اسی میں اجتماعی بہتری ہے۔اسی لئے اوپر یہ دعوی کیا گیا ہے کہ اگر وہ اپنے اس فرض کو پس
پشت ڈال دے یعنی خواہشات کی پیروی شروع کر دے تو وہ انسان کے منصب سے محروم ہو جاتا
ہے۔(ایسے ضابطوں قوانین و آئین میں وقت کے تقاضوں کے مطابق ردوبدل و منسوخی کا بھی
اختیار رکھتا ہے) جناب محمد اکرم اعوان کا فارابی کے فلسفہ سے یہاں مکمل اتفاق ہے کہ عقل فعال کے

بغیر انسان حیوان ناطق ہے انسان نہیں۔ آپ کی سیاسی فکر کو اسی جہت سے بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ آپ رزق (تمام انسانی حقوق) کو فطرت قرار دیتے ہیں جب کہ انگریز مفکرین تھامس ہابز اور جان لاک فطری حقوق میں صرف حق زندگی، حق جائیداد اور حق آزادی کو شامل کرتے ہیں اور فرانسیسی مفکر جے جے روسو انہیں فطری آزادی کا نام دیتا ہے۔ لہذا جناب محمد اکرم اعوان کے اس تصور کو یورپی فلسفیوں کے اس تصور پر برتری حاصل ہے

یہ بات بنی نوع انسان کے علم میں ہے کہ جدید یورپ انہی یورپی فلسفیوں کے اس فکر کے زیر اثر پروان چڑھا حالانکہ ان کا یہ تصور بھی اسلام کی دین ہے اور جناب محمد اکرم اعوان کی فکر بھی۔۔۔آپ فرماتے ہیں یہ تمام حقوق انسان پیدائش کے وقت ساتھ لیکر آتا ہے اور یہ کہ اس پر کسی معاشرہ ریاست یا حکومت کا کوئی احسان نہیں بلکہ انسان یہ ادارے قائم ہی ان حقوق کی حفاظت کے لیے کرتا ہے۔ ان کی انسانوں کو فراہمی کے لیے ایسے ادارے خود قائم کرنا اس کے فرائض میں شامل ہے۔ جناب محمد اکرم اعوان کی اس سیاسی فکر سے ازخود یہ بھی طے ہو جاتا ہے کہ انسان خود انسانوں کی تنظیموں اور قوانین کو قائم کرنے اور ان کی بقاء کو برقرار رکھنے کا چونکہ پابند ہے لہذا فرائض کو حقوق پر خود ترجیح حاصل ہو جاتی ہے۔ انسان سے مراد آپ کے نزدیک مسلمان ہی نہیں بلکہ دنیا کا ہر وہ انسان ہے جو جہاں کہیں بھی ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ جو آپؓ کے دور میں مصر کے گورنر تھے کو کسی ایسے ہی موقع پر فرمایا تھا (جب ان سے کسی فرد کے حق پر زد پڑی تھی) "ماں نے تو اسے آزاد جنا تھا تم نے اسے غلام کب بنا لیا ہے" دراصل بطور حکمران حضرت عمرؓ کی عظمت کا راز ہی اسی ایک خوبی میں تھا کہ آپ نے کسی بھی قیمت پر فرائض کی ادائیگی سے پہلوتہی کی کبھی کوشش نہ کی بلکہ اپنے عمال تک کو بھی اس ضمن میں ڈھیل نہ دی۔ جس کے خلاف عوام شکایت کرتے اسے آپؓ فوراً اس کے منصب سے سبکدوش فرما دیتے۔ بلکہ دنیا کے تمام بڑے حکمرانوں کی بڑائی کے پیچھے یہی وجہ تھی کہ انہوں نے فرائض منصبی کی ادائیگی کو تن، من، دھن تینوں پر ترجیح دی اور اس طرح عوام کے حقوق کی حفاظت کی۔ جب کہ حضرت عمرؓ اس ضمن میں مثالی حکمران ہیں۔ جناب محمد اکرم

اعوان اور الماوردی میں یہ قدر مشترک ہے۔ کہ دونوں کی فکر مکمل دین کے پس منظر میں پروان چڑھتی ہے اور جو اصول جہاں سے ملتا ہے اسے وہاں سے لینے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے اسی طرح آپ بھی اس ضمن میں تنگ نظری سے کام نہیں لیتے۔ انسان اور انسانیت کی بھلائی کے لیے جو جہاں سے ملتا لے لیتے ہیں۔ میں اوپر عرض کر چکا ہوں آپ بہت بڑے صوفی شاعر ہیں، بے شمار لوگوں کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ آپ کے پسندیدہ شاعر فیض احمد فیض ہیں جنہیں ان کی اپنی زندگی میں لینن پرائز سے نوازا جا چکا ہے۔ اس کے علاوہ الماوردی اور جناب محمد اکرم اعوان میں یہ قدر بھی مشترک ہے کہ دونوں ریاست کو انسانی جسم قرار دیتے ہیں اور ان دونوں کی اس ریاست میں رئیس اوّل کا مقام ''دل'' کو حاصل ہے۔ بلکہ جناب اکرم اعوان کے اس نظریئے میں کمال یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں ''انسان خود ایک سلطنت کی مانند ہے۔ اس نے یعنی انسان نے اگر برائی کے خلاف جنگ لڑنی اور فتح حاصل کرنی ہے تو سب سے پہلے اپنی ذات کو برائی سے پاک کرنا ہوگا یعنی اس سلطنت کو فتح کرنا ہوگا۔ اگر اس نے اپنی ذات کے اندر برائی کی قوتوں پر غلبہ حاصل کرنا ہے۔ ورنہ وہ اس ضمن میں دنیا میں کامیابی کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ آپ مزید فرماتے ہیں جس نے اپنا آپ مسخر کر لیا (اپنے آپکو برائی سے پاک کر لیا) اس نے ایک دنیا کی فتح کر لی۔ آپ دل کی صفائی اس پر اللہ کے پاک نام کی ضربات لگا کر کرتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ خدمت خلق کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ نیز ماوردی مطلق العنان بادشاہت کے دور میں ریاست کے سربراہ کے فرائض و اختیارات میں توازن رکھتا ہے۔ اور بڑی بے باکی سے اس دور میں اس کے فرائض پر بحث کرتا ہے جب ایسا کرنا تقریباً بہت مشکل تھا بلکہ بعض اوقات ناممکن۔ تاہم جناب محمد اکرم اعوان کا یہاں ماوردی سے اختلاف ہے۔ وہ ایک سربراہِ ریاست کے پاس اختیارات سرے سے تسلیم ہی نہیں فرماتے۔ اور اسلامی سربراہ ریاست اور مغربی سربراہ ریاست میں یہی فرق بیان فرماتے ہیں۔ کہ مغرب میں سربراہ مملکت کو منتخب ہونے کے بعد اختیارات دیئے جاتے ہیں جب کہ آپ اختیارات کو صرف اور صرف خداوند باری تعالیٰ کی ملکیت قرار دیتے ہیں۔ اور اس کے بعد اس کے بندوں کی ملکیت میں اتنے ہی اختیارات دیتے ہیں جو اس کے رزق کے حصول کی تگ و دو کے لیے کافی ہیں۔ اور مزید یہ کہ افراد

کے یہ اختیارات اور سربراہ مملکت کے انتہائی محدود اختیارات بھی اس کے فرائض ہیں۔۔۔ کہ وہ صرف خدا اور اس کے رسول ﷺ کی منشاء یعنی خالصتاً انہیں عوام کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کے پابند ہیں۔ لہذا ان کا ایسا استعمال بھی چونکہ فرائض کے تحت ہی ممکن ہے وہ بھی فرائض کی صورت میں بروئے کار لائے جاسکتے ہیں اور یہ فرائض ہی ہیں۔ آپکا دعویٰ ہے کہ جس معاشرے کا ہر فرد (حکمران سمیت) فرائض کی ادائیگی کی پابندی کرے ایسے معاشرے میں کوئی بھی ایسا فرد باقی نہیں بچے گا جو حقوق کے بغیر ہو گا۔ اور اگر سب لوگ اور حکمران صرف حقوق کے حصول میں مصروف ہو جائیں تو فرائض کی عدم ادائیگی کی صورت میں یا اسطرح کم سے کم ادائیگی کی صورت میں تنزلی کا شکار ہو جائے گا۔ اور رزق کے ذرائع یا بذات خود رزق کا بہت بڑا حصہ چند لوگوں کے ہاتھوں میں منتقل ہو جائے گا۔ تاہم فرائض کی ادائیگی سے آپ کی مراد یہ نہیں کہ معاشرے کو بیگار کیمپ بنا دیا جائے بلکہ اس سے آپ صرف اتنا چاہتے ہیں کہ فرد کے بطور انسان کے زندگی گزارنے کے لیئے فرائض کی ادائیگی میں مزید آگے بڑھنے والوں کے ساتھ درجات (عزت واحترام) میں بھی ترقی ہونا ضروری ہے لہذا اپنے تن من اور دھن پر اپنے فرائض کو ترجیح دینے والے کو ہی سربراہ سلطنت چنا جانا چاہیئے نہ کہ اس قربانی کا عملی مظاہرہ کرنے کی بجائے محض زبانی مظاہرہ کرے۔ آپ اس کی مثال یوں دیتے ہیں کہ جس طرح بچپن میں اولاد کی بہتر پرورش والدین کا فرض ہے اسی طرح والدین کی بڑھاپے میں دیکھ بھال اولاد کا فرض ہے اور سرکاری ملازمین کے علاوہ کسانوں، مزدورں، صحافیوں، کلرکوں، اساتذہ، انجینئر، ڈاکٹرز، پروفیسرز، مہندس وغیرہ وغیرہ سب کو اپنے اپنے فرائض دلچسپی سے ادا کرنے چاہیں اور اس کے عوضانے میں صرف اتنے ہی مشاہرے پر اکتفا کرنا چاہیئے جتنا ان کا استحقاق ہے اور یہ کہ انہیں (کاروباری طبقے سمیت) عوام تک ان کے حقوق پہنچانے کے فرائض کی ادائیگی کے سلسلہ میں ایسے تمام لوگ نہ صرف عوام کو جواب دہ ہیں بلکہ خداوند باری تعالیٰ کو بھی۔۔۔ اس لیئے اسلامی ملکوں کی ریاست ان کی ادائیگی کی جزاء اور نہ ادائیگی کی سزا دینے کی پابند ہے۔ اس کے اس فرض میں کوئی اختیار اس لیئے حائل نہیں ہوسکتا کہ لوگوں کے پاس ایسا اختیار ہوتا ہی نہیں کیونکہ ایسا با اختیار اسلامی ریاست میں پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ فرماتے ہیں یوٹیلٹی سروس مہیا کرنے والے

فوجی ،نیم فوجی قانون نافذ کرنے والے ،عدل مہیا کرنے والے نیز مختلف قسم کے ٹیکس اکھٹے کرنے والوں کے پاس اختیار ہوتے ہی نہیں بلکہ فرائض ہوتے ہیں۔جن کی ادائیگی کا انہیں عوضانہ ملتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ فرائض کی ادائیگی کے بغیر عوام حقوق کے بغیر رہ جائیں گے لہذا جس معاشرے میں لوگ فرائض کی ادائیگی سے ہاتھ روک لیں اس میں حقوق جنم لے ہی نہیں سکتے۔یعنی وجود میں آ ہی نہیں سکتے۔۔۔تو افراد کو میسر کہاں سے آئیں گے ان دلائل کی روشنی میں یہ دعویٰ کرنا بھی ممکن ہے کہ یورپی تصورات اس لحاظ سے ناقص ہیں کہ ان میں صرف اور صرف انسانی بنیادی حقوق کی بات کی جاتی ہے (جب کے عمل فرائض پر کیا جاتا ہے) ہاں ایک بات کا ذکر یہاں ضروری ہوگا کہ ریاست کی حدود کے اندر محتاج افراد معاشرہ ،یتیم بچے ، بیوہ عورتیں ، بے سہارا بوڑھے اور غریب مریض مکمل طور پر ریاست کی ذمہ داری ہیں۔یعنی ان کی دیکھ بھال فرائض کی صورت میں ریاست کے فرائض میں شامل ہوتی ہے۔یہی محمد اکرم اعوان صاحب کا بھی دعویٰ ہے۔ٹیکسوں کے بارے میں آپ عوام پر اس کا بوجھ مشروط تسلیم فرماتے ہیں اور شرط یہ قرار دیتے ہیں کہ یہ ٹیکس عوام کی مرضی کے مطابق لاگو کیے جائیں نیز جس مقصد کے لئے اکٹھے کیے جائیں لازمی طور پر صرف اسی مقصد پر استعمال ہوں اور ان کا استعمال بالکل شفاف طریقے پر ہو۔۔۔یعنی نہ صرف صاف ہوتا نظر آئے بلکہ اس کے نتائج بھی برآمد ہوں جبکہ آپ تعلیم اور صحت کو مکمل طور پر ریاست وحکومت کے فرائض میں شامل سمجھتے ہیں اور ان دونوں کی مفت فراہمی لازمی قرار دیتے ہیں (یہ دونوں اللہ کا رزق ہیں)

فارابی کے خیال میں میلے ٹھیلوں اور سڑک کے کنارے موجود افراد کے اجتماع ناقص ہیں کہ ان کے سامنے کوئی واضح مقصد نہیں ہوتا اور شہروں میں رہنے والے لوگوں کے اجتماع عام ہیں۔۔۔ اگر جناب محمد اکرم اعوان صاحب کے سیاسی فلسفے کو سامنے رکھ کر جائزہ لیا جائے تو آج کے دور اور معاشرے میں وہ بستیوں میں رہنے والے افراد کا معاشرہ بھی اجتماع ناقص ہی قرار پاتے ہیں جو بلا مقصد زندگیاں گزار رہے ہیں یعنی کہ جو بطور انسانوں کے زندہ رہنے سے محروم ہیں۔یا

دوسری صورت میں ایسے لوگوں کو خواہشات کا غلام فرماتے ہیں۔ جو آسانی سے اس علت کی وجہ سے کسی دوسری قوم کی غلامی قبول کر لیتے ہیں۔۔۔یعنی آزادی سے پہلے نفسانی خواہشات کی غلامی اختیار کرتے ہیں پھر جس سے ان کا کسی دوسری قوم کا غلام بننا آسان ہو جاتا ہے ۔یعنی کہ جس معاشرے کے لوگ فرائض ادا کرنے سے ہاتھ روک لیتے ہیں وہ ایسی حکومت قائم ہی نہیں کر سکتے۔ جو فرائض کی ادائیگی کو اپنا مقصد سمجھے۔نفسانی خواہشات کی غلامی کو فرائض کی ادائیگی کے راستے میں آپ سب سے بڑی رکاوٹ قرار دیتے ہیں جس کے بعد ایسے افراد کی آزادی خود بخود ہی سلب ہو جاتی ہے یعنی کسی دوسری قوم کی طرف سے ایسے معاشرے پر قبضہ نہ ہونے کے باوجود ایسے معاشرے کے افراد اپنے معاشرے کے اندر سے فرائض کی ادائیگی میں سب سے بڑی رکاوٹ افراد کی آزادی تھما دیتے ہیں ۔یعنی آزادی سے رضا کارانہ طور پر دست بردار ہو جاتے ہیں اس طرح فرابی کے حیوان ناطق کا درجہ اختیار کر لیتے ہیں جو عقل فعال کے بغیر ہوتا ہے یعنی آپ کسی معاشرے یا قوم کے آزاد رہنے کے لئے اس کی اخلاقی ذمہ داریوں کی ادائیگی فرض قرار دیتے ہیں۔۔۔تاہم آپ کا تصور خدا، رزق اور انسان کے رابطے کا جو نظام ہے اس کے صحت مند بنیادوں پر استوار ہونے کے لئے فرائض کی ادائیگی یا اخلاقی پابندیوں کو ضروری قرار دیتے ہیں۔۔۔اس طرح آپ نے ٹی ایچ گرین کے اس فلسفے سے یہاں تک اتفاق کیا کہ اخلاقی آزادی اخلاقی قوانین سے جنم لیتی ہے۔ کیونکہ آپ کے تصور حکومت سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ آزادی غیر اخلاقی ہو ہی نہیں سکتی نہ ہی غیر اخلاقی قوانین۔۔۔قوانین کہلانے کے حقدار ہیں ۔ٹی ایچ گرین غالباً یورپی بے راہ روی اور اسلامی آزادی کے تصورات یک جان دیکھنے کا خواہشمند تھا۔ گرین کے نزدیک شہریوں کا فرض ہے کہ وہ ریاست کے بتائے ہوئے قوانین کی پابندی کریں جبکہ ریاست کا فرض ہے کہ وہ شہریوں کے حقوق کی حفاظت کرے تا کہ عوام ریاست کے بتائے ہوئے قوانین کی پابندی کریں جبکہ ریاست شہریوں کے حقوق کی حفاظت کرے تاہم عوام کو ریاست (خاص طور پر حکومت) کے خلاف مزاحمت کا اختیار رہے۔جب۔

1۔ حکومت عوام کے مفاد کے خلاف ہو (یعنی اپنے اصل فرائض سے پہلو تہی کرے)۔

2۔ جب حکومت جابرانہ ہو (یعنی انصاف مہیا کرنے کے فرض سے غفلت برتے یا انکار کرے)

3۔ جب بُرے قوانین کی منسوخی کا کوئی اور راستہ نہ رہ جائے۔

4 جب ریاست یا حکومت ایسے قوانین وضع کرے جس سے افراد کی آزادی پر زد پڑے۔

5۔ جب ریاستی قوانین میں بلا جواز ترامیم کی جائیں۔

6۔ جب ریاست سے انصاف کا خاتمہ ہو جائے۔

تاہم مزاحمت سب کی طرف سے ہو اور اس کا نتیجہ لازمی طور پر معاشرے کے حق میں نکلے جب کہ محمد اکرم اعوان صاحب ''ماوردی'' کی طرح اس میں شرعی قوانین کی خلاف ورزی کو بھی جواز قرار دیتے ہیں بلکہ اس سے ایک قدم آگے مسلمانوں کو اس کا پابند قرار دیتے ہیں کہ وہ ایسی صورت میں لازمی جائز حکومت بحال کریں وہ ناجائز حکومت کی اطاعت کفر قرار دیتے ہیں۔ان کے علاوہ ماوردی اور محمد اکرم اعوان میں یہ قدر بھی مشترک ہے کہ ماوردی کے دور میں ترکوں اور ایرانیوں کی طرف سے اسلامی ریاست کی جڑیں ہلا کر رکھ دی گئی تھیں۔اور ہر طرف بادشاہت کا دور دورہ تھا تاہم ماوردی ان حالات کا قطعاً اثر قبول نہیں کرتا اس کا طرز استدلال اسلامی رہتا ہے اور وہ قرآن و حدیث کو ہی سر چشمہ ہدایت سمجھتا ہے۔ جناب محمد اکرم اعوان عوام کے اردگرد کے ماحول میں اسلام دشمن سیاست وثقافت اور نظریات کا دور دورہ ہے بلکہ عالم اسلام میں ان کی ترویج کے لئے اسلام دشمن قوتیں بڑی شدومد سے سرگرم عمل ہیں اس کے باوجود آپ بھی نہ ان سے مرعوب ہیں۔نہ آپ اسلامی طرز استدلال سے دست بردار ہوتے ہیں اور نہ ہی سٹی اسٹیٹ آف مدینہ اور خلفائے راشدین کے دور کو مثالی قرار دینے سے ہچکچاتے ہیں جب کے ماوردی ان کے برعکس بعض اوقات اپنی ہم عصر غیر اسلامی تاریخ سے بھی اپنے حق میں مثالیں پیش کرتا ہے۔مولانا محمد اکرم اعوان انسانی شخصیت کو ایک سلطنت قرار دیتے ہیں۔اور اس میں دل کو رئیس اوّل کا مقام عطا فرماتے ہیں۔اور

آپ آنحضور ﷺ کی اس حدیث پاک کو اپنے اس تصور کی بنیاد قرار دیتے ہیں کہ ''انسانی جسم میں گوشت کا یہ لوتھڑا اگر دنیاوی آلائشوں سے پاک ہو جائے تو انسان بُرے کاموں سے بچ سکتا ہے۔ یعنی آپ بھی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ دل ہی سے بُرے خیالات جنم لیتے ہیں جو بُرے اعمال کی ترغیب دیتے ہیں یا ان پر عمل کے لئے اُکساتے ہیں۔ آپ دل کو اللہ کے نام کے نور سے دھونے اور صاف کرنے اور رکھنے پر یقین رکھتے ہیں آپ کا خیال ہے کہ ''اللہ ہو'' کی دل پر متواتر ضربات لگانے سے اس کے اندر روشنی داخل کر کے اس سے برائی دھوئی جا سکتی ہے اور اندھیرا نکالا جا سکتا ہے اس کے ساتھ ہی آپ خدمت خلق کو بھی شرط قرار دیتے ہیں۔۔۔ برائی کا اثر براہ راست دل پر ایک زنگ کے نقطے کی صورت میں رقم ہو جاتا ہے۔ اور اگر آدمی اپنے بُرے افعال کو بار بار دہراتا ہے تو اس کا سارا دل زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ جس سے اُس کی نیکی اور اچھائی کے بارے میں خواہشات ختم ہو جاتی ہیں تاہم اللہ کے ذکر کی کثرت اور خدمت سے انسان نیکی کی طرف لوٹ سکتا ہے۔ تاہم آج کے دور میں برائی کے کثرت سے رواج پا جانے کی وجہ سے نیکی کا عوضانہ باقی زمانو ں سے بڑھ کر ہے۔ اور سب سے بڑی رُکاوٹ۔۔۔ بدی، برائی یا گناہ کے راستے میں ریاست ہی ہے۔ اور معاشرہ بھی۔۔۔ کیونکہ دونوں کا فرض ہے کہ اپنی اپنی ذات کو پاک وصاف رکھنے کے لئے کسی فرد کے بُرے کام کرنے پر لازمی سزا دے۔ ریاست اپنی طرف سے یعنی مقررہ قانون کے مطابق اور معاشرہ اپنی طرف سے ناپسندیدگی کے عملی اظہار کی صورت میں۔۔۔ تاکہ دونوں سیاسی تنظیمیں نیکی کی روشنی سے منور ہو سکیں۔ اس کی یہ دونوں تنظیمیں پابند ہیں۔ روسو کے سیاسی فلسفے سے جناب محمد اکرم اعوان کے فکر کا موازنہ کیا جائے تو حضرت جی کا فلسفہ ماجد اور یک طرفہ۔۔۔ روسو کا اپنی کتاب سماجی معاہدہ میں دعویٰ کہ ''انسان آزاد پیدا ہوا لیکن ہر طرف غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ درست ہے اور اسے اس غلامی سے نکلنے کے لئے ''جنرل دل'' منشاء عام کا نظریہ دیتا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ تمام افراد جو اپنے آپ کو معاشرے کی شکل میں منظم کرتے ہیں وہ اپنے تمام فکری حقوق سے منشاء عام کے حق میں دست بردار ہو جاتے ہیں۔ یعنی دوسرے لفظوں میں ہم اس کے اس فلسفے کی وضاحت میں یہ نہیں کہہ سکتے جو کہنا چاہیئے۔۔۔ اور اصل حقیقت یہ بنتی ہے کہ ہر فرد کے

حقوق کے معاشرے کی حفاظت ''منشاء اصلی'' کرتی ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق معاشرے کی فلاح بہبود سے ہے۔

جناب محمد اکرم اعوان صاحب سیدھے اور سادے الفاظ میں فرماتے ہیں کہ فرد کو اپنے معاشرتی، ریاستی یا اللہ کے حقوق کی لازمی فراہمی کیلئے اپنے فرائض لازمی ادا کرنے ہوتے ہیں۔ اور جب معاشرے کا ہر فرد یہی کچھ کر رہا ہوتا ہے تو اس طرح ہر فرد کو اس کے بدلے میں کل معاشرے کے تمام افراد حقوق کی فراہمی میں مصروف ہو جاتے ہیں لہٰذا ایسی صورت حال میں معاشرے کے ہر فرد کے حقوق اس تک پہنچانے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی، ممکن نہیں رہتی۔ فرد کی ذاتی خواہشات (یا نفسانی خواہشات) کو منشاء حقیقی (ACTUAL WILL) قرار دیتے ہیں۔ جب کہ دوسروں کی بھلائی سے متعلقہ یا اجتماعی معاشرتی زندگی کی خواہش کو منشاء اصلی (Real Will) کے مجموعے کو منشاء عام (General Will) قرار دیتے ہیں آپ فرماتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں۔ کہ اسلام کی (سیدھے راستے) کی بھی اصل روح یہی ہے کہ انسان ذاتی خواہشات پر اجتماعی خواہشات کو اور بری خواہشات پر اچھی خواہشات کو ترجیح دے۔ بلکہ ایسا کرنے کا وہ پابند ہے۔ کیوں کہ اس پابندی کی خلاف ورزی کی صورت میں وہ دوسروں کے لئے مسائل پیدا کرنے کا سبب بنے گا۔ جس کی معاشرہ اور ریاست دونوں اجازت دینے کی پوزیشن میں نہیں۔ اور جب سارے انسان اس پابندی پر عمل کریں تو معاشرہ جنت نظیر بن جائے گا۔ تب ہی ایسے حالات میں انسان اصل آزادی سے لطف اندوز ہو سکے گا۔

آپ کا ریاست کے عناصر کے حوالے سے جو نظریہ بنتا ہے۔ وہ بھی خاصہ دلچسپ ہے اور افادیت کے لحاظ سے یورپی تصور سے بہت بہتر ہے۔ آپ عدلیہ کے اقتدار اعلیٰ کے قائل ہیں۔ یعنی آپ کے خیال میں نظام عدل ریاست کی حدود کے اندر سب سے برتر ادارہ ہے۔ وہ خدا اور رسول ﷺ کی منشاء ہے (لہٰذا ان کے احکامات کا پابند ہے)۔ اور ان چار عناصر کے علاوہ آپ ریاست کے عناصر میں پانچواں عنصر آزادی کو قرار دیتے ہیں۔ اس طرح آپ کی ریاست میں اور معاشرہ میں بظاہر ہر شخص محکوم نظر آتا ہے۔ (ہر وقت فرائض کی گرفت میں دکھائی دیتا ہے) جب کہ در حقیقت

وہ صبح آزادی سے یورپی آزادی کے تصور کو گمراہ کن (ناقص اور نقصان دہ) قرار دیتے ہیں۔اس طرح آپ جمہوریت کو ہی بہترین حکومت قرار دیتے ہیں اور اس ضمن میں جمہوریت سے مراد صرف اور صرف ایسی طرز حکومت لیتے ہیں جس سے حاکم و محکوم کا فرق قائم نہ ہو۔آپ کے خیال میں پاکستان میں عوام کو جمہوریت نہیں محض جمہوریت کے نام پر دھوکا دیا جاتا ہے۔(کیوں کہ یہاں اقتدار پر قبضہ کرنے والا گروہ بظاہر عوام کی مرضی سے ایسا کرتا ہے۔جبکہ درحقیقت وہ رائج سیاسی نظام کی وجہ سے ایسے گروہوں میں سے سب سے طاقتور گروہ کو قبضہ کرنے سے روکنے سے معذور ہیں) آپ کی تنظیم الاخوان پاکستان میں اسی وجہ سے انتخابات میں حصہ نہیں لیتی۔آپ فرماتے ہیں جو حکومت عوام کو غلاموں کی طرح کے سلوک کا مستحق سمجھے وہ جمہوریت کیسے ہوئی۔ بلکہ آپ ایسی کسی بھی قسم کی شخصی حکومت کو بزور قوت بدلنے کے قائل ہیں۔آپ کے یہ خیالات اسلام کی اصل روح کے عکاس ہیں۔انگریز مفکر لوگ بھی انہی خیالات سے متاثر ہیں۔جب وہ دعوٰی کرتا ہے کہ "انقلاب ایک معتبر حق ہے اگر حکومت اپنے اختیارات کا غلط استعمال کرے تو یہ جابرانہ حکومت میں تبدیل ہوجاتی ہے۔اور ایسی جابرانہ حکومت کا علاج یہ ہے کہ اسے طاقت سے ہٹادیا جائے"۔آپ میں اور لاک میں یہاں بھی واضح اتفاق موجود ہے۔تاہم آپ ایسی حکومت کا ہٹایا جانا ضروری خیال کرتے ہیں کیوں کہ رضا کارانہ طور پر حکومتی جبر برداشت کرنے والے افراد کو بطور انسان زندگی بسر کرنے کے قابل نہیں سمجھتے۔آپ اس ضمن میں سٹی سٹیٹ آف مدینہ کو ہی مثالی تصور فرماتے ہیں۔نیز حقوق اللہ کے ضمن میں فرض عبادات کی ادائیگی اس لئے ضروری خیال فرماتے ہیں کہ ان سے انسان کے اندر شر (منفی) کی قوتیں مسخر ہوجاتی ہیں اور معاشرہ برائیوں سے پاک ہوجاتا ہے۔تاہم آپ ان کے ساتھ ساتھ آپ بنی نوع انسان کی خدمت اور ہر ردکی طرف سے اس پر عائد معاشرتی فرائض کی ادائیگی کو بھی لازمی خیال کرتے ہیں۔اور آپ کے خیال کے مطابق یہی اللہ کی منشاء ہے۔کہ انسان اس کی عبادت سے اپنے آپ کو ایک خالص اور صاف ستھرے انسان (مسلمان) میں تبدیل کرے اس طرح پاک صاف ہوکر بنی نوع انسان کی خدمت میں لگ جائے۔میں ایک روز آپ کی ایک ایسی محفل میں بذات خود موجود تھا۔جس میں اکثریت آپ کے سلسلہ نقشبندیہ

اویسیہ کے ایسے صحاب پر مشتمل تھی جو آپ کے پیرو کاروں میں سے زیادہ عبادت گذار اور پرہیزگار مانے جاتے ہیں۔ ذکر الٰہی باقاعدگی سے کرتے اور نیک تصور ہونے کے باوجود۔ جناب محمد اکرم اعوان نے انہیں فرمایا" تم راتوں کو جاگتے ہو۔ اور اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے ہو۔ جب کہ تمہارے ارد گرد بہت ساری مخلوق خدا مصیبتوں میں مبتلا ہے۔ جس کی ایسا محسوس ہوتا ہے۔ تمہیں کوئی فکر نہیں۔ ان انسانوں کے مصائب کی موجودگی میں تم کس طرح اپنے رب کے ہاں سرخرو ہو کر پیش ہو گے؟۔ قطعی طور پر ایسا نہیں۔ کیوں کہ رب تمہیں انسانوں کی ان تکالیف سے چشم پوشی کی ہرگز اجازت نہیں دیتا"۔ آپ کے نزدیک عبادت تزکیہء نفس کے لئے ہے۔ تا کہ اس سے انسانوں کے بنی نوع انسان کی نہ صرف خدمت کے قابل بنایا جا سکے تا کہ اس سے ایسی خدمت بہتر سے بہتر لی جا سکے۔ آپ معاشرے کو برائیوں سے پاک کرنے اور پھر پاک رکھنے کی جدوجہد مسلسل پر یقین رکھتے ہیں اور اسی جدوجہد کو جہاد قرار دیتے ہیں جو ہر فرد پر فرض ہے اور مسلمانوں پر اس حد تک فرض ہے کہ جہاد کی کوئی قضاء آپ تسلیم نہیں کرتے۔ آپ کے خیال کے مطابق جو قوم جہاد قضاء کر بیٹھے وہ پھر جہاد کے قابل رہتی ہی نہیں۔ اس ضمن میں آپ ایک ایسی مثال دیتے ہیں جو نا قابل تردید ہے۔ لہٰذا آپ کا جہاد کا یہ نظریہ تسلیم کیئے بغیر کوئی چارہ نہیں رہتا۔ آپ فرماتے ہیں غزوہء احزاب کے دوران آنحضورؐ کی (کفار کے حملوں میں شدت کی وجہ سے) چار نمازیں قضاء ہوئیں اور اس طرح صحابہؓ کی بھی چار نمازیں قضاء ہوئیں اور غزوہء بدر والے روز آنحضورؐ جب علی الصبح صحابہؓ کے پاس تشریف لے گئے تو آپؐ نے دیکھا کہ وہ سب اس روز روزہ رکھنے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ آپ نے اس روز انہیں روزہ رکھنے سے منع فرما دیا۔ یوں جناب محمد اکرم اعوان دعوٰی فرماتے ہیں کہ چونکہ جہاد معاشرتی برائیوں کے خلاف تھا۔ لہٰذا آنحضورؐ نے اسے فرض عبادات سے افضل قرار دے دیا ہے۔

آپ کے حکومت کے بارے میں اس نظریہ کو مدنظر رکھ کر پاکستان کے سیاسی حالات کا جائزہ لیا جائے تو خاصی مایوس کن سیاسی تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے۔ کہ پاکستان کا حصول مسلمانوں کی آزادی کے حصول کے لئے (رزق کیلئے) تھا۔ جب کہ پاکستانی قوم نے اسے بذات خود آزادی

قرار دے دیا۔ یعنی حصول منزل کی بجائے اسے غلطی سے منزل سمجھ لیا۔ یعنی ہماری قوم نے اپنے فرائض کی ادائیگی سے ہاتھ روک لیا اور وہ اس غلط فہمی کی بنا پر کہ ان کے رزق (آزادی) کے راستے میں انگریزوں اور ہندوؤں کی رکاوٹیں ختم ہو چکیں۔ لہٰذا ان تک ان کا رزق پہنچنے سے اب کوئی نہ روکے گا۔ مگر بد قسمتی سے ان کی درسگاہوں کے فارغ التحصیل نام نہاد مسلمان قوم ان سے زیادہ بڑی رکاوٹیں ثابت ہوئے۔ ایسا محض مسلمانوں کا جہد مسلسل ترک کرنے کی وجہ سے ہوا۔ جب کہ آپ کے خیال میں انسان اس جہد مسلسل کا پابند ہے۔

آپ یہ تسلیم فرماتے ہیں کہ خدا کے علاوہ رازق اور بھی ہیں۔ مثلاً والدین اپنی اولاد کے۔ آقا اپنے غلام کا یا حکومت اپنے ملازمین کی تاہم وہ بھی چونکہ خدائی احکامات کے پابند ہیں نیز ان کے ذرائع انتہائی محدود ہیں۔ لہٰذا قرآن کا یہ دعویٰ سو فی صد درست ہے کہ

یعنی اللہ ہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں کہ جناب محمد اکرم اعوان کے خیالات عالیہ جاننے سے پیش تر قرآن کی اس آیت مبارکہ کا صحیح مطلب میرے علم میں نہ تھا۔ کہ یہ خداوند باری تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے علامہ اقبالؒ اسی لئے فرماتے ہیں۔

تقدیر کے پابند جمادات و نباتات
مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند